نظرات

سعید احمد اکبرآبادی

اقبال صدی تقریبات جن کا غلغلہ کئی برس سے بلند تھا ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں آگے پیچھے دو عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنسوں پر اختتام پذیر ہوگئیں، ان کانفرنسوں کی مفصل روئداد یں سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کے قلم سے جو دونوں جگہ مندوب تھے معارف اعظم گڈھ میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان روئدادوں سے یہ معلوم کرکے تو خوشی ہوئی کہ اب اقبال کی شخصیت اور اون کا کلام قید وطنیت و قومیت سے آزاد ہوکر عالمگیر ہوگئے ہیں اور دوسرے ممالک میں بھی اوس کا مطالعہ اور اس پر باضابطہ غور و فکر شروع ہوگیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ محسوس ہوا کہ کلام اقبال کی اصل اسپرٹ اور اوس کی روح تک پہونچنے کی کوشش بہت کم کی گئی ہے۔

اب یہ بات بغیر کسی توریہ اور تمہید کے کہی جاسکتی ہے کہ اقبال کے کلام کی روح اور دنیا کے نام اوس کا پیغام بجز اسلام کے کچھ اور ہرگز نہیں ہے۔ لیکن اسلام کونسا؟ وہ اسلام نہیں جو ناقص اور بعض جگہ مسخ شدہ شکل و صورت میں مسلمانان عالم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ اسلام جس کی نسبت "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" فرمایا گیا، جو قرآن و سنت کی تعلیمات کا اصل جوہر اور مغز ہے، اور جس کا مکمل عملی پیکر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر ہے۔ قرآن میں جس کو "اسوۂ حسنہ" فرمایا گیا، اقبال نے اس اسلام کو عصرِ حاضر کے انسان کے سامنے ایک نئے علم الکلام کے روپ اور شعر و فلسفہ کی زبان میں کمال خود اعتمادی زورِ بیان و بلاغت اور ولولۂ و جوشِ تاثیر کے ساتھ پیش کیا ہے، اس علم الکلام کا اصل تار و پود تو قرآن و سنت ہی ہے، لیکن چونکہ مخاطب عصرِ حاضر کا فلک پیما انسان ہے اس لئے اقبال نے مشرق و مغرب کے حکما اور اربابِ دانش کے افکار و آرا سے نقد و بصیرت کے ساتھ زیب داستان کا کام بھی لیا ہے اقبال کے علم الکلام کا ایک متن ہے اور ایک اوس کی شرح، متن انگریزی خطبات ہیں اور شرح پورا کلام منظوم! لوگوں کی پوری توجہ شاعری پر رہی ہے۔ خطبات کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی حالانکہ خطبات میں علامہ نے کتنے ہی ایسے اہم مسائل و مباحث چھیڑ دیئے ہیں جن میں سے ایک ایک مسئلہ پر نہایت محققانہ ایک دو نہیں متعدد کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

۱۹۴۵ء کا ذکر ہے میں سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی میں پڑھاتا تھا، یہ وہ سال ہے جبکہ پاکستان کے جنرل ضیاء الحق بھی اسی کالج میں پڑھتے تھے، اور ن۔م راشد ریڈیو اسٹیشن میں اردو پروگرام کے انچارج تھے، وہ مہینہ میں دو تین میری تقریریں کراتے رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے علامہ اقبال کے خطبات پر تقریر کی فرمائش کی، لیکن اوس وقت تک خطبات میری گرفت میں نہیں آئے تھے اس لئے میں نے معذرت کر دی، اس کے بعد انھوں نے ہندو کالج دہلی میں فلسفہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر سکسینہ جو اردو و فارسی شعر و ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے اون سے اس کی فرمائش کی سکسینہ صاحب نے فوراً ہامی بھر لی اور ان کی تقریر ہو گئی، سکسینہ میرے دوست تھے اون سے اکثر کالج میں ملاقات رہتی تھی، اس ریڈیو تقریر کے بعد ملاقات ہوئی تو بولے:

سعید صاحب! میں تو اقبال کے خطبات پڑھ کر حیران رہ گیا ہوں اوس نے ایک بالکل نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی ہے، افسوس ہے مسلمان صرف اون کی شاعری کو لیکر بیٹھ گئے، خطبات کو نہیں دیکھتے، مجھکو یقین ہے کہ اگر یہی کتاب یورپ کے کسی فلسفی کے قلم سے ہوتی تو اب تک اوس پر دس بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہوتیں۔

اقبال پر جتنا لکھا گیا ہے برصغیر ہند و پاک کی کسی حالیہ شخصیت پر نہیں لکھا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال پر ابھی اور جتنا اور جیسا لکھنا چاہیئے اوس کے مقابلہ میں موجودہ سرمایۂ اقبالیات کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ جو مقالات پڑھے گئے، اون کے عنوانات سے محسوس ہوتا ہے کہ اکثر مقالات سطحیت کا شکار تھے۔ البتہ ہمارے فاضل دوست سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے اپنے مقالہ میں جو بات کہی بالکل درست تھی مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ انھوں نے حکمائے مشرق و مغرب کے نام گنا کر کہا کہ اقبال نے "سب ہی سے اختلاف کیا ہے" حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اقبال نے ان سب کا مطالعہ ناقدانہ بصیرت کے ساتھ کرکے کہیں کسی سے اتفاق کیا ہے اور کہیں اختلاف پھر جہاں اختلاف کیا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہاں اقبال کی رائے ہمیشہ صائب ہی ہو، مثلاً افلاطون کے نظریۂ اعیان ثابتہ کی نسبت اقبال نے جو کڑی تنقید کی اور جس لب و لہجہ میں کی ہے۔ اقبال کے بہت سے قدردانوں کو اوس سے اختلاف ہے پھر سید صاحب نے اپنے مقالہ کا جو عنوان رکھا یعنی "اقبال کی دریافت" وہ واقعی بڑا برمحل اور صحیح ہے اقبال کی نسبت جب تک نقطۂ نظر درست نہیں ہوگا اون پر جو کام بھی ہوگا۔ دوسرے یا تیسرے درجہ کا ہوگا۔

برہان کا سالانہ چندہ روانہ کرتے وقت یا برہان کے سلسلہ میں کچھ لکھتے وقت اپنا مکمل پتہ اور خریداری نمبر کوپن پر ضرور تحریر فرمادیا کریں۔